انجمن ترقی اردو
حیدرآباد دکن

RGD-NO-A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲ | ۱۵ جولائی ۱۹۵۳ء — ایڈیٹر قاضی عبدالغفار — ۳ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ | نمبر ۱۴

بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں!

اردو زبان کے ساتھ اُس کے وطن اتر پردیش میں جو کچھ ہوا وہی کیا کم تھا۔ لیکن اس ریاست کے باہر بھی جس گوشہ میں دیکھئے کچھ ایسا ہی نقشہ نظر آتا ہے۔ اتر پردیش چونکہ اردو زبان والوں کا خاص صوبہ ہے اس لئے یہاں تو آخرکار اس مسئلہ نے ایک بہت اہم صورت اختیار کر لی۔ لیکن جہاں اردو والے زیادہ نہیں ہیں وہاں دہ دبے ہوئے ہیں اور ایسی ریاستوں میں ہماری جمہوریت کی ترجمانی اس انداز سے کی جا رہی ہے کہ دبے ہوؤں کو اور دباؤ!

اتر پردیش میں جس طرح دستور ہند کے مقصد اور منشا کو نظر انداز کیا گیا، اسی سنت پر بعض دوسری ریاستوں میں عمل ہو رہا ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ وہاں کی کمزور اقلیت اتر پردیش کی طاقتور اقلیت کی طرح آواز بلند نہ کر سکی لیکن آخر کب تک؟ اقلیتوں میں طلب حقوق کا جذبہ پیدا کرنیوالی وہی حکومتیں ہوا کرتی ہیں جو اپنے اقتدار کے نشہ میں اقلیتوں کے حقوق سے بے پروا ہو جاتی ہیں۔

مدھیہ پردیش کی داستان آجکل اخباروں میں چھپ رہی ہے اور ہم اس کو پڑھ کر حیران ہیں کہ کیا کہیں اور کیونکر کہیں۔ جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ اس کا اگر دس فیصدی بھی صحیح ہے تو مدھیہ پردیش کی حکومت نے اپنی تنگ نظری اور اردو کے متعلق اپنی غیر منصفانہ پالیسی کا ایک کھلا ہوا ثبوت پیش کر دیا ہے۔

ہم گذشتہ اشاعت میں ایک معتبر نامہ نگار کا طویل مراسلہ شائع کر چکے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ مدھیہ پردیش کی حکومت نے گذشتہ تین چار سال میں کتنے اسکول اور مدرسے جن میں اردو والوں کو اردو پڑھنے کی آسانیاں میسر تھیں بند کر دیئے ہیں۔ امراوتی کا ہائی اسکول، ایوت محل کا ٹیکنیکل اسکول، امراوتی کا نارمل اسکول، سب اسی پالیسی کی زد میں آ گئے ہیں اور اردو کی مخالفت کا یہ سلسلہ ایسے طریقوں سے جاری ہے کہ گویا حکومت چاہتی ہے کہ اس کی ریاست میں اردو زبان کا نام لینے والا کوئی باقی ہی نہ رہے۔ اردو مدرسوں کے انسپکٹر اور دوسرے ایسے عہدیداروں کے عہدے جن کا تعلق اردو اسکولوں سے تھا ختم کر دیئے گئے یا ایسے لوگوں کو دیدیئے گئے جو اردو زبان سے نہ تو واقف ہیں

اور نہ کوئی ہمدردی رکھتے ہیں۔ اب اتر پردیش کے قدم بقدم لوکل باڈیز کے مدرسے اور مکتب بھی ختم کئے جانے لگے جس کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اردو کی جڑ ہمیشہ کے لئے اکھیڑ ڈالی جائے۔ برخلاف اتر پردیش کے جہاں ہم نباہ کئے ہوئے مکتبوں کی جگہ نئے مکتب قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ مدھیہ پردیش کی اس اقلیت میں اتنی بھی قوت نہیں معلوم ہوتی کہ وہ لوکل باڈیز کے مدرسوں کی جگہ اپنے مکتب قائم کرکے اردو کی تعلیم کو جاری رکھ سکے۔ نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ چند سال بعد وہاں اردو پڑھنے والا کوئی بچہ باقی نہ رہے گا اور اردو والوں کی آئندہ نسل اپنی مادری زبان سے محروم ہو جائے گی۔ کیا اس پالیسی کا مقصد یہی ہے کہ اس طرح ریاست کی ایک زبان کو ختم کر دیا جائے اور ہندی اور مرہٹی کے سوا وہاں کوئی دوسری زبان باقی نہ رہے؟

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی قوم کی وحدت اور ایکتا کو قائم کرنے کے لئے صرف ایک زبان کو قومی زبان بنانا ضروری ہے اس کے معنی صرف اتنے ہیں کہ اس شاندار اصول کو بار بار بیان کرکے اردو والوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے اور ان کو اس مغالطہ میں مبتلا کیا جائے کہ وہ ہندوستانی قوم کے اتحاد میں تب ہی شریک ہو سکتے ہیں جب اپنی زبان سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہی بات جو اردو کے متعلق کہی جاتی ہے، بنگال میں بنگالی کے متعلق یا مرہٹواڑی میں مرہٹی زبان کے متعلق یا آندھرا میں تلنگی کے متعلق کیوں زبان پر نہیں آتی۔ ملک اور قوم کی ایکتا کا انحصار صرف اردو ہی کے تیاگ پر کیوں منحصر ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو ساتی صوبوں کا گلا گھونٹ حلق سے آتارا جا رہا ہے اور ہر علاقائی زبان کے حامیوں کو بار بار اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ مقصد ان کی زبان کو نقصان پہنچانا نہیں ہے اور دوسری طرف تنہا اردو زبان کے خلاف حکومتوں کی پوری طاقت صرف ہو رہی ہے ہم عجیب ہے قومی اتحاد کا یہ تصور اور عجیب ہے ذمہ دار لوگوں کی یہ دھوکہ بازی!!

خود مدھیہ پردیش میں ہندی کے ساتھ مرہٹی زبان کو علاقائی زبان بلکہ سرکاری زبان تسلیم کر لیا گیا ہے اور اس پر بھی مرہٹی والے مطمئن نہیں ہیں اور اپنی زبان کے لئے زیادہ سے زیادہ حقوق مانگ رہے ہیں۔ مدھیہ پردیش کی حکومت جو اپنے حاکمانہ اقتدار کو صرف اردو دشمنی میں صرف کر رہی ہے ذرا کسی مرہٹی زبان کے مدرسے، مکتب کو تو بند کرنے کی جرأت دکھائے! ساری توجہ صرف اردو ہی کے حال پر کیوں مبذول ہے؟ کیا صرف اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ اردو والے کمزور ہیں اور مقابلہ نہیں کر سکتے!

اب وقت آگیا ہے کہ مدھیہ پردیش کی یہ اقلیت اس بات کو سمجھ لے کہ اگر اس نے اردو زبان کی حفاظت کے لئے کوئی طاقتور اور موثر اقدام نہ کیا تو وہاں یہ زبان ہی ختم نہ ہوگی بلکہ اس زبان کے بولنے والے بھی ختم ہو جائیں گے۔

نامہ نگار نے ہمیں بتایا ہے کہ ریاستی تعلیمی کانفرنس کے ذریعہ اس مسئلہ کا ایک محاذ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ محاذ جس قدر جلد بن جائے بہتر ہے۔ ریاستی انجمن ترقی اردو کو بھی اپنی کمزوریوں کے باوجود یہ سمجھ لینا چاہئے کہ۔

خواہم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم صد سالہ راہم دور شد!

ہندستانی اکیڈمی

اردو والوں کے حلقے میں ہندستانی اکیڈمی کافی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ اب اس نے اپنی شہرت میں کچھ اضافہ کیا ہے۔ اس کی کونسل کے گذشتہ اجلاس میں انجمن ترقی اردو کے نمائندے کی نسبت جو عجیب و غریب طرز عمل اختیار کیا گیا اس کے متعلق ہم نے ابھی تک "ہماری زبان" میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ لیکن اخباروں میں اس واقعہ کا چرچا شروع ہو گیا ہے۔ لہذا اپنی خاموشی کی توضیح کرنے کے

لئے ہم اس وقت صرف اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں کہ انجمن کے نمائندے کو کونسل کی رکنیت سے صرف اس بنا پر خارج سمجھا گیا کہ انجمن کے دفتر کا پتہ دہلی کے بجائے علی گڑھ ہو گیا ہے! جناب صدر کی اس ایورسٹ کی طرح اونچی رولنگ کے پہاڑ پر انجمن کا نمائندہ چڑھ نہ سکا۔ اس نے کوئی اخباری بیان شائع کرنے کے بجائے صحیح طریقہ کار یہ سمجھا کہ پہلے اس معاملہ کو انجمن کی مجلس عاملہ کے سامنے پیش کر دے اور مجلس کے فیصلے کے بعد اس ایورسٹ پر چڑھنے کے لئے کوئی قدم آگے بڑھایا جائے۔ چنانچہ ۲۰ جولائی کو مجلس کا جو جلسہ لکھنؤ میں ہو رہا ہے اس میں اراکین مجلس، کونسل کے صدر اور اس کی اکثریت کے اس طرز عمل پر غور کریں گے۔ اس کے بعد اپنے مناسب موقع اور وقت پر یہ مسئلہ رائے عامہ کے سامنے آئے گا۔

ہم جانتے ہیں کہ موجودہ زمانہ کے حالات میں یہ جو کچھ ہوا وہ ذرا بھی تعجب انگیز نہیں ہے۔ آج کل تو سب ہی کچھ ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے جو ہوا۔ بہرحال انجمن کے ہمدردوں کو مطلع کرنا ہے کہ ہماری حد تک یہ معاملہ ختم نہیں ہوا ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ وقت آنے پر تفصیلات عرض کی جائیں گی۔

ہلکے ہلکے اشارے

معاصر قومی آواز نے بتایا ہے کہ ۳۰ ہزار فارموں پر ۱۲ لاکھ دستخط ہو چکے اور اگر ان تمام فارموں کو اوپر نیچے رکھا جائے تو ۲۰ فٹ اونچا مینار کھڑا ہو جائے گا!

—— یہ کاغذی مینار ہو گا لیکن اردو کی تحریک کے مخالفوں کی تحریروں اور تقریروں اور بیانات اور اعلانات کا مینار تو اس سے بہت اونچا ہے۔ اور اونچا ہوتا چلا جا رہا ہے! یہ درحقیقت بہت سے تمسخر انگیز مفروضات کا مینار ہے جس کو جتنا چاہئے بلند کر دیجئے، ۲۰۰ فٹ، ۲ ہزار فٹ، ۲ لاکھ فٹ! جب صرف جذبات ہی سے کام لینا اور صرف یہ کہہ کر ناواقف لوگوں کو دھوکہ دینا ہے کہ اردو کی تحریک فرقہ پرستی ہے اور قوم کی ایکتا کے لئے خطرناک ہے تو پھر ان گھوڑوں کے دوڑنے کے میدان کی وسعت غیر محدود ہے!! ایک ہی جھوٹ کو بار بار دہراتے چلے جائیے لفظوں کے ہیر پھیر سے کتاب کی سیکڑوں جلدیں تیار ہو جائیں گی!! ہاہا ۲۰ فٹ کا مینار بھلا اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے!

—— بہت دلچسپ اور تازہ ترین خبر یہ ہے کہ لکھنؤ میں اتر پردیش بھاشا سمیتی "انجمن ترقی اردو کی تحریک کا توڑ کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے وہ اسی زمانہ میں ایک کانفرنس منعقد کرے گی جس زمانہ میں ہمارے ورکرس کی کانفرنس وہاں ہونے والی ہے۔

—— اول تو ہمیں یہ سوچنا کہ یہ جدید بھاشا سمیتی یکایک کہاں سے تولد ہو گئی، ہم نے تو کبھی پہلے اس کا نام سنا نہ تھا اور پھر "انجمن کی تحریک کا توڑ کرنے کے لئے" اس نوزائیدہ سمیتی کی ضرورت ہی کیا تھی جبکہ ہندی کے دوسرے بڑے بڑے ادارے اتر پردیش میں موجود ہیں اور یاد ش بخیر خود ریاستی کانگریس موجود ہے جو انجمن کی تحریک کے خلاف فتوے دے چکی ہے۔ پھر آخر وہ کیا مصلحت ہے جس کے تحت یہ ایک نئی سمیتی ظہور میں آئی ہے! دوسرے ادارے اپنے نام سے سامنے کیوں نہیں آتے!!

—— اردو کی کانفرنس کے منتظمین کو چاہئے کہ وہ اس سمیتی کے نیتاؤں کا اپنے جلسہ میں سواگت کریں۔ ان نیتاؤں کو کون یقین دلائے اور کیسے یقین دلائے کہ اردو کی تحریک کا مقصد اردو کو ختم کئے بغیر دوسری زبانوں سے اتحاد پیدا کرنا ہے۔ ہندی والے اردو کے کتنے ہی دشمن ہوں مگر اردو والے ہندی کے ہرگز مخالف نہیں ہیں۔ کتنی ہزار دفعہ تقریروں اور تحریروں میں یہ بات کہی گئی ہے، پھر بھی اگر سمیتی کا یہ نیا شاخسانہ اردو کی تحریک کا توڑ ضروری سمجھتا ہے تو ہم نہ تو دوسروں کے اعمال کے ٹھیکہ دار ہیں اور نہ دوسروں کے ضمیر کے چوکیدار!!

—— اردو کے مسئلہ پر جو لوگ مضمون لکھنے اور اخبار

میں چھپوانے کی بے اختیار خواہش کو دبا نہیں سکتے۔ ان کے مضمون کی تان اس بات پر ٹوٹتی ہے کہ اب اردو کے مدرسوں اور مکتبوں کا ایک جال بچھا دیا جائے اور یہ کام انجمن ترقی اردو کو کرنا چاہیے!

——— بہت خوب! کام بلاشبہ اشد ضروری ہے اور انجمن ہی کا فرض ہے کہ اس کو انجام دے۔ لیکن اس عمارت کے شاندار نقشے بنانے کے بعد ذرا سوچئے کہ اس عمارت کے لئے گارے چونے اور اینٹ پتھر کا بھی کچھ انتظام ضروری ہے یا نہیں!

——— وہ درخت اب پیدا نہیں ہوتے جن میں سونے چاندی کے پھل آیا کرتے تھے۔ نہ اب اللہ تعالیٰ چھپر پھاڑ کر ایک کروڑ کا تہائی عطا فرماتا ہے۔ جعلی نوٹ بنانے کا فن انجمن نے سیکھا نہیں، اس کے پاس اس فن کے ماہرین بھی نہیں ہیں! تو پھر اب اخباری اہل قلم سے کیا عرض کیا جائے!!

جے پور (راجستھان) میں انجمن ترقی اردو

کا اجلاس اور اس کی پرزور حمایت

جے پور، یکم جولائی۔ گذشتہ شب انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ جے پور کا ایک اجلاس ۹ بجے شب حویلی نواب ممتاز الدولہ بہادر واقعہ ترپولیہ بازار پر ہوا جس میں علاوہ ارکان انجمن دیگر اصحاب نے بھی شرکت کی۔ یہ ایک جنرل میٹنگ تھی اور دعوت عام دی گئی تھی۔ ٹھیک ۹ بجے خان بہادر الطاف احمد خیری صاحب کی صدارت میں کاروائی شروع ہوئی اول منشی منموہن لال صاحب بسمل بھرت پوری نے ایک بہترین نظم حمایت اردو میں پڑھی جو بیحد پسند کی گئی۔ اور بہت سے اصحاب نے اُسکی نقلیں طلب کیں۔ بعد ازاں مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل عثمانی سکریٹری انجمن نے اپنی رپورٹ سنائی۔ جس میں انجمن کے اغراض و مقاصد اور اس کے افادی پہلو نہایت وضاحت سے بیان کرتے ہوئے متعدد دفعات قواعد انجمن کا حوالہ دے کر ثابت کیا کہ اپنی مادری زبان قائم رکھنے کی غرض سے اردو کی حمایت اور اس انجمن کا قیام نہایت ضروری ہے۔ نیز اب تک کے ممبران کے نام بھی سنائے جو بلا تفریق مذہب و ملت ایک سو دس ہیں نیز اب تک کی آمد و خرچ کا حساب بھی پیش کیا اور اس کو ریاستی شاخ کئے جانے پر کافی زور دیا اور بتایا کہ ۲۰ر مارچ ۱۹۵۳ء تاریخ قیام انجمن سے اب تک کیا کیا خدمت اردو اس شاخ نے انجام دی۔

اس کے بعد جناب صدر نے اپنا خطبہ پڑھا۔ جس کو حاضرین نے بہت پسند کیا۔ اور خوب داد دی۔ نیز خواہش کی کہ اس کی مطبوعہ کاپیاں ان کو ملنی چاہئیں۔ نقل خطبہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

خطبہ صدارت

(از خان بہادر الطاف احمد خیری صاحب صدر انجمن ترقی اردو جے پور۔ ریٹائرڈ چیرمین ریونیو بورڈ حکومت راجستھان)

حاضرین کرام! قبل اس کے کہ میں انجمن ترقی اردو کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ آپ کا تہ دل سے شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے اعزاز صدارت عطا کیا۔ اور امید کرتا ہوں کہ آپ کا عملی تعاون اس انجمن کو اسم بامسمی کر دکھائے گا۔

حضرات! اس انجمن کے اغراض و مقاصد کے متعلق شاید ان بعض حضرات کو کچھ شبہات ہوں کہ جو اس کی علت غائی سے واقف نہیں ہیں۔ لہٰذا میں ان کی توجہ قواعد و ضوابط انجمن ترقی اردو ہند کی دفعہ ۳ کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جس میں صاف طور پہ بتلایا گیا ہے کہ

"اردو کی آسان شکل ہندوستانی کو عام پسند بنانے کے ذرائع اختیار کرنا اور اس کی معیاری کتابوں کا دیوناگری رسم الخط میں ترجمہ کرنا وغیرہ وغیرہ"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اردو اپنی عام پسند ترقی کے ساتھ ہندی کی بھی ترقی خواہ ہے۔

اس حقیقت سے بجز حقیقت ناشناس اور کون انکار کرسکتا ہے۔ کہ اردو اسی سرزمین ہند میں پیدا ہوئی۔ اسی ملک والوں نے اسے پالا۔ اس کی تربیت کی۔ اور پروان چڑھایا اور وہ اپنی خداداد قابلیت کی بدولت ارتقائی مراحل اور قبولیت عام کے مدارج طے کرکے اس مرتبہ کو پہنچی کہ غیر ممالک تک بولی اور سمجھی جانے لگی۔ اور ایشیا سے گزر کر یورپ تک جا پہنچی۔ دور نہ جائیے جے پور ہی میں اب سے چند سال قبل تک اس کی مقبولیت عام بازار سے سرکار تک اور گھروں سے دربار تک جاری وساری تھی، اسی طرح راجستھان کی اور بھی کئی ریاستوں میں اس کا عمل دخل تھا۔ اور اگر اس عرصہ قبولیت کی وسعت مدت کو پیش نظر رکھا جائے تو شاید ہی کوئی ریاست ایسی ہو کہ جہاں اس کا ڈنکا نہ بجا ہو۔ یہ تو کل ہی کی بات ہے کہ جن ریاستوں کا رسم الخط دیوناگری تھا۔ زبان وہاں بھی یہی اردو استعمال ہوتی تھی۔ آج بھی پنچایتوں۔ نیم سرکاری اجتماعوں۔ میلوں۔ تماشوں۔ بازاروں۔ گلی کوچوں بلکہ دیہات تک میں افہام و تفہیم عام کا بہترین ذریعہ یہی زبان ہے رسم الخط خواہ کچھ ہو۔ اس کو آپ اردو کہئے یا ہندوستانی کا خطاب دیجئے۔ ہے یہ وہی زبان جو عوام و خواص کی زبان پر رواں ہے۔ اور رواں زبان ہے۔ اس لئے اس کو نہ کسی ایک فرقہ یا طبقہ نے بنایا ہے نہ ایک جرگہ یا حلقہ تک یہ محدود ہے نہ کسی خاص مذہب وملت کی یہ پابند ہے نہ کسی خاص رسم و رواج کی مقید۔ اگر قرآن مجید کی تفاسیر اس میں ملیں گی تو ویدوں کی تشریحات اور انجیل و توریت کے ترجمے بھی دستیاب ہوں گے اور گرنتھوں کے معنی بھی۔ جہاں حدیث و فقہ اس کے زیر اہتمام چھاپی گئی ہے وہاں ۱۸ پران اور چھ شاستر بھی اس کے انتظام سے اشاعت پذیر ہوئے ہیں ایک طرف احیائے علوم اور فصوص الحکم نے اس کا لباس پہنا ہے تو دوسری طرف بھگوت گیتا اور یوگ بششٹ نے بھی اس کو خلعت قبولیت بخشا ہے۔ اگر فتوح الشام اردو نظم ونثر میں ملے گی تو رامائن کو بھی آپ اس میں جلوہ افروز پائیں گے۔ مثنوی میر حسن بدر منیر ملے گی تو گلزار نسیم بھی بے نظیر شہرزد

کی جادو بیانی سے متاثر ہو جائے گا تو سرشار کی گوہر فشانی بھی خراج تحسین لیکر رہے گی۔ مولانا آزاد کو اس میں گوہر ریزیاں پائیگا تو جواہر لال کو بھی جواہر ریز۔ روزنامہ "الجمعیۃ" اور "سہ روزہ ہماری زبان" اردو میں ملیں گے تو "تیج" "ملاپ" اور "ریاست" بھی یہی زبان بولتے نظر آئیں گے۔ پس ایسی زبان جس کی قبولیت کا یہ عالم ہو اور جو دربار سے بازار میں نہ آئی ہو بلکہ بازار سے دربار میں پہنچی ہو۔ اور جس کا رشتہ یگانگت اسفل واعلی سے یکساں ہو جس پر ہند بجا طور پر نازاں ہو۔ اور جس کا گراں قدر احسان ہمارے ہر شعبہ زندگی پر ہو۔ بالکل بجا طور پر اپنی بقا و ارتقا کی مستحق ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ ایک ابتلائی دور سے گزر رہی ہو۔ اور اس کے استیصال کے خواب پریشان دیکھے جا رہے ہوں۔ ہماری دلی ہمدردیوں سخت ترین کوششوں اور ثقافتی و روایاتی مساعی کی زیادہ سے زیادہ مستحق اور جلد سے جلد امداد کی متوقع ہے۔ اردو کے لئے ہماری فرض شناسی کا اس سے اہم موقع اور ہماری اردو دوستی کے امتحان کا اس سے نازک تر وقت نہیں آسکتا۔

یہ خیال سراسر واہمہ محض ہے کہ اردو ہندی کی رقیب یا اس کی ترقی اس کے تنزل کا باعث ہو سکتی ہے یا ہوگی۔ ہرگز نہیں اردو تو اس آب و تاب کی مالک ہے جو بہ ادنی تغیر،

ہوتی ہی نہیں ہے کسی صحبت میں مخل
ہر رنگ میں مل جاتی ہے پانی کی طرح

رسم الخط دیوناگری ہو یا فارسی یا رومن سب میں یکساں رنگ دیتی ہے اور ہر زبان کے الفاظ خوش آب کو اپنا لیتی ہے۔ بلاشک اتحاد و اتفاق باہمی کا ذریعہ بھی اردو ہے اور تعاون و خلوص کا سبب بھی۔

اسی طرح ہندی کو سرکاری زبان تسلیم کرنے سے انکار کوئی ناواقف و نادان ہی کر سکتا ہے۔ فی الحقیقت اس کا مخالف حکومت کا مخالف ہے، جو کوئی ہندی کو مٹانے کی کوشش کرے گا خود مٹا دیا جائے گا اور جو اس کو بگاڑنے کی سعی کرے گا خود بگڑ جائے گا۔ ہمیں لازمی طور پر اس میں زیادہ سے زیادہ ملکہ پیدا کرنا ہوگا۔ اور اس کی ترقی کی ہر ممکن

کوشش اس طرح کرنی ہوگی کہ کسی دوسری زبان کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ بلاشبہ ہم ان لوگوں کو ہندی کش اور اس کے مار آستین سمجھتے ہیں کہ جو اسے سخت سے سخت تر کر کے عوام و خواص سے بیگانہ اور قدیم دیوتاؤں اور رشیوں سے قریب تر کرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی آنکھیں بھارت سرکار کے وزیر تعلیم مولانا آزاد کے اس قول سے کھل جانی چاہیئے تھیں کہ "مذہب بھی بدلا جا سکتا ہے مگر زبان نہیں بدلی جا سکتی"۔ مگر نہ کھلی ہیں اور نہ ایسی توقع۔ یا بقول ٹیک جیت تول پوری نحو الاخبار جن لیگ۔

"اعتبار نہیں ہوتا کہ یہ وہی ہندی ہے جس میں پریم چند نے دل کی دھڑکن بھری تھیں۔ آگے کہتا ہے کہ ہندی کو بگاڑنے کے بدترین گناہ کی ذمہ داری انہیں لوگوں پر ہے جو عوام کی دوسری مصیبتوں کے ذمہ دار ہیں"

الحاصل اس مشکل پسندی اور دشواری بافزا حکات کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کی مادری زبان اردو ہے۔ ہندی سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور اپنی مادری زبان سے محروم اور بجائے آزادی کی برکت۔ علم کے جال میں پھنس رہے ہیں۔ حال ہی میں کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے زبان کے مسئلہ پر جو تازہ ریزولیشن پاس کیا ہے۔ اس میں اردو زبان اور مادری زبان کی بابت حسب ذیل عبارت میں وضاحت کی ہے

"دستور کی آٹھویں فہرست میں ہندوستان کی خاص زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان زبانوں میں ایک اردو زبان بھی ہے۔ ورکنگ کمیٹی یقین کرتی ہے کہ اس کو اس کا صحیح مقام دیا جائے گا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اردو ہندوستان کی ایک زبان ہے جو ہندوستان ہی میں پیدا ہوئی اور یہیں اس نے ترقی کی اور یہ کہ ہندوستان کی آبادی کی ایک بڑی تعداد اس کو بولتی اور لکھتی ہے"

"تعلیم کی حد تک ابتدائی مدارس میں ذریعہ تعلیم طلبہ کی مادری زبان ہو۔ اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کی جائے کہ اس غرض سے ہر جگہ جہاں ایسے طلبہ کی کافی تعداد ہو۔ جن کی مادری زبان کوئی خاص ہو اور وہ ایسی خواہش کرے تو اس کے لئے (مادری زبان کی تعلیم کی) کافی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں اسی طرح کسی ایسے رقبہ میں جہاں کوئی خاص زبان بنیادی زبان ہو۔ جہاں تک ممکن ہو اس قسم کا (مادری زبان میں تعلیم دینے کا) انتظام کیا جاوے۔ بشرطیکہ ایسے طلبہ کی کافی تعداد موجود ہو" اس کے باوجود عمل جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے۔ عیاں را چہ بیان۔

ایک حسین فریب جو سرکاری زبان کو قومی زبان کہہ کر اس سے مادری زبان مراد لینے کا دیا جا رہا ہے۔ نہایت گمراہ کن ہے۔ سرکاری زبان سارے ملک میں ایک ہو سکتی ہے۔ مگر جس مملکت میں مختلف المذاہب لوگ مدت مدید سے بستے ہوں۔ اور ان کی مسلمہ قانونی چودہ زبانیں ایسی ہوں کہ جو صوبائی کہلائی جا سکیں۔ جن میں ایک اردو بھی ہو۔ کہ جس کو قانوناً شیڈول نمبر ۸ میں جگہ ملی ہو۔ اور جن کے حقوق کا تحفظ۔ آرٹیکلز نمبر ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۴۷ اور ۳۵۰ میں موجود ہو۔ اس کے مادری زبان ہونے سے انکار کرنا یا اس کا رتبہ کسی دوسری زبان کو دینا۔ ایسا فعل ہے کہ جو کوئی سودائی ہی کر سکتا ہے۔

پنڈت جواہر لال کا یہ قول کہ "اختلاف بجائے خود قومی اتحاد کا باعث ہوتا ہے" صرف اردو زبان ہی پر راست آتا ہے۔ جس کا دامن لغت مختلف زبانوں کے الفاظ سے مالا مال ہے۔ اسی اختلاف مذاہب کو اردو نے اتحاد زبان کا پیغام دیا ہے

اسی زبان کے ایک شاعر مرزا غالب کی مدح اور زبان کی صفت و ثنا میں ہند پارلیمنٹ کے ممبر اور مرکزی حکومت کے وزراء رطب اللسان پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں عرض کرونگا کہ اس زبان کی بقا و ترقی خود اپنی بقا و ترقی ہے۔ اردو کے جن حامیوں نے اپنے بزرگوں اور بزرگوں کے بزرگوں کو اردو بولتے اور لکھتے پڑھتے اور اس پر فخر کرتے دیکھا ہے اور جن کی رگوں میں ان کا خون ہونے پر نازاں ہیں۔ نیز میراث پدر خواہی علم پدر آموزی۔ کے قائل و عامل بھی

ہیں وہ اردو کے محض تحفظ پر بھی دستخط نہیں کر سکتے بلکہ اس کی حیات کے لئے اپنا جسم و جان پیش کریں گے اور اس کی ترقی کے لئے اپنی آن و شان۔ البتہ موجودہ حالات و واقعات کے زیر اثر جو مشکلات کہ اردو کو اپنی بقا کی نسبت پیش آرہی ہیں چہ جائیکہ اس کے بہی خواہ ترقی کے خواہاں ہیں ان کا بھی مختصراً جائزہ لینا ضروری ہے۔

اول یہ کہ ہماری تمام ریاست میں کسی بھی محکمہ میں اب اردو کا وجود نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایک دو حرفی درخواست تک اردو میں نہیں دی جا سکتی۔

دوم۔ اکثر اخبارات اور سرکاری کاغذات میں جو زبان استعمال ہوتی ہے وہ اس قدر مشکل و دشوار ہوتی ہے کہ اس کا سمجھنا آسان کام نہیں۔ درانحالیکہ عام فہم زبان استعمال کرنے کا اطمینان دلایا جاتا ہے۔ مزید لطف کی بات یہ ہے کہ عام فہم مروج الفاظ کو ادق و نامانوس مشکل ترین الفاظ میں ترجمہ کرکے استعمال کیا جاتا ہے۔

سوم ذریعہ تعلیم ہر جگہ ہندی ہو۔

چہارم۔ سرکاری اور سرکار سے امداد یافتہ مدرسوں کے درجہ اول سے درجہ ششم تک اردو کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اس طرح اس زمانہ آزادی میں مادری زبان کی آزادی سلب ہو کر بچے تعلیم سے آزاد ہو گئے ہیں اس لئے کہ وہ غیر مادری اور وہ بھی سخت ترین بنائی ہوئی زبان کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اور اس بار گراں کے اٹھانے سے خود کو قاصر پاتے ہیں۔ اس طرح اُن لوگوں پر کہ جن کی مادری زبان اردو ہے غلامی کی سی قید و بند عائد ہے۔ پنجم۔ درجہ ششم کے بعد سے اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت دے دی گئی ہے مگر اس کو انگریزی کے ساتھ بریکٹ کر دیا گیا ہے۔ یعنی ان دونوں میں سے کوئی ایک زبان طالب علم لے سکتا ہے۔ اس طرح ملازمتی اور تجارتی ضرورتوں کی بنا پر اپنی مادری زبان پر غیر ملکی زبان کو ترجیح دینے پر طلبا اور ان کے سرپرست مجبور ہوتے ہیں یا ملازمتی و تجارتی منافع سے محروم۔ لہذا یہ سوچنا ہے کہ ان حالات کی موجودگی میں کیا طریق عمل اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے ہم اپنی مادری زبان، روایات قدیم اور ثقافت کو فنا ہونے سے بچا ہی نہ سکیں بلکہ اس کو ترقی دینے میں کامیاب ہوں۔ اور اقتصادی نقصانات سے بچ سکیں۔ ظاہر ہے کہ ہر معاملہ میں حکومت کا منہ تکتے رہنا اور اس کے رحم و کرم پہ اپنی زندگی منحصر کر دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ہیں ایسے بگڑے کوئی دن کے مہماں

بلکہ ہمیں خود اول کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا اور سمجھنا ہوگا کہ زندگی حرکت کا نام ہے۔ اور جمود موت۔ ہے لہذا اردو کی بقا اور اس کی ترقی کے متعلق چند امور آپ کی غور و فکر کے لئے پیش کرتا ہوں۔

(الف) ہر وہ شخص جو اردو کو اپنی مادری زبان مانتا ہے اور اس کی بقا و ترقی کا خواہش مند ہے اس کو چاہئے کہ اپنی اولاد کو لازمی طور پر اردو پڑھائے۔ سرکاری انتظام اردو کی تعلیم کا نہ ہو تو پرائیوٹ طور پر کرے۔ اور سرکار سے ایسے انتظام کی درخواست کی جائے۔

(ب) وہ ہر اردو خواندہ ماں جس کا بچہ اردو تعلیم سے محروم ہے۔ خود اپنے بچے کو اردو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ خاوند اردو خواندہ ہے اور زوجہ ناخواندہ ہے تو خاوند زوجہ کو اور اس کے برعکس ہونے کی صورت میں زوجہ خاوند کو۔ اور ہر اردو خواندہ بہن بھائی اپنے ناخواندہ بہن بھائیوں کو اردو کی تعلیم دے

(ج) ہر اردو خواندہ آقا اپنے ملازمین کی اردو تعلیم پر زور دے اور ہر امکانی آسانی بہم پہنچائے کہ وہ اردو لکھنا پڑھنا سیکھ سکیں۔

(د) کالجوں کے پروفیسر صاحبان۔ اسکولوں کے مدرسین اور اونچے درجوں کے طلبا کہ جو اردو خواندہ ہوں اپنے اوپر لازم کر لیں کہ بہ زمانہ تعطیلات کلاں وغیرہ کم از کم ایک ایک شخص کو اردو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

(ہ) ہر گاؤں۔ ہر قصبہ۔ ہر وارڈ۔ اور ہر شہر کے ہر محلہ میں تعلیم بالغان کے سینٹر قائم کئے جائیں جن میں ان پڑھ بالغوں کو اردو لکھنا پڑھنا سکھایا جائے۔ اور دونوں رسم الخط کی تعلیم کا انتظام ہو۔ اس کے لئے خاص طرز کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں

(و) ہر شہر میں جہاں ایسے لوگ آباد ہوں کہ جن کی مادری زبان اردو ہو چھوٹی چھوٹی لائبریریاں قائم کی جائیں جن میں اردو کی کتابیں دونوں رسم الخط میں ہوں جنہیں وہاں بیٹھ کر بھی لوگ پڑھ سکیں اور گھر بھی لے جا سکیں۔ لائبریری کا چندہ نہایت معمولی ہو۔

(ز) اگر مالی حالت اجازت دے تو سفری لائبریریاں بھی قائم کی جائیں جو اس قسم کی کتابیں سرکولیٹ کریں۔

(ح) اردو دوست ناشرین اور مطابع سے کہا جائے کہ وہ اردو کتب کی طباعت و اشاعت پر زور دیں۔

(ط) ایک تحریک جاری کی جائے کہ اردو داں اصحاب جب ایک دوسرے سے گفتگو کریں یا خط و کتابت ہو تو وہ اردو میں کریں۔ اس کی خلاف ورزی کی صورت میں اخلاقی تدارک کے طور پر ایک پیسہ یا دو پیسہ تاوان ادا کیا جائے جو اردو کی ترقی پر صرف کیا جائے۔

(ی) ہر اردو دوست اس کا خاص خیال رکھے کہ سرکاری کاغذات مثلاً کاغذات مردم شماری۔ کاغذات راشن کارڈ درخواست برائے لائسنس ریڈیو وغیرہ میں اپنی اور اپنے خاندان کی مادری زبان اردو درج کرائے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ باوجود تمہارا اردو لکھانے کے مردم شماری کے عملہ نے ایسا نہیں کیا اور بعد میں بمشکل صحت کرانی پڑی۔

زبان کے بارہ میں جب آپ ۱۹۵۱ء کی رپورٹ مردم شماری پڑھیں گے تو آپ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی اس لئے کہ ریاست راجستھان میں صرف آٹھ زبانیں تسلیم کی گئی ہیں جن میں ایک مغربی ہندی بھی ہے۔ اردو کو اس مغربی ہندی کی صرف پانچویں شاخ قرار دیا گیا ہے۔ مزید لطف کی بات یہ ہے کہ اس ریاست کی کل آبادی ایک کروڑ باون لاکھ یا نوے ہزار سات سو ستانوے ہے (۱,۹۳,۵۰,۷۹۷) ہے اور ظاہر ہے کہ اردو کو بلا تفریق مذہب و ملت مادری زبان مانا جاتا ہے۔ مگر نتیجہ یہ نکالا گیا کہ صرف ایک لاکھ باون ہزار تین سو اناسی (۱,۵۲,۳۸۹) متنفس اردو کو بطور مادری زبان بولتے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(ک) اردو دوست اصحاب اپنے پرائیوٹ اداروں میں دیگر زبانوں کی تعلیم کے علاوہ اردو تعلیم بھی لازمی قرار دا دیں۔

(ل) پارلیمنٹ اور جن ریاستی اسمبلیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، اور میونسپلٹیوں وغیرہ میں قواعد اجازت دیں وہاں اردو دوست ممبران اردو میں تقریر کریں۔

(م) اردو کی بقا اور ترقی کے لئے ایک خاص فنڈ قائم کیا جائے جس سے مندرجہ بالا تجاویز پر جو صرفہ ہو وہ پورا کیا جاوے۔

چند صورتیں فراہمی چندہ کی حسب ذیل ہیں۔

(۱) مذہبی تہواروں اور سماجی رسومات کے موقع پر اردو دوست حضرات سے چندہ کیا جائے۔

(۲) "اردو فنڈ" فلیگ فروخت کئے جائیں۔

(۳) اردو دوست تاجروں کی دوکانات پر "اردو فنڈ" کے لئے برائے چندہ صندوقچیاں رکھی جائیں جن میں خود تاجر بھی اپنی طرف سے کچھ رقم ڈالیں اور اپنے دوست گاہکوں کو بھی متوجہ کریں۔

(۴) اردو دوست اداروں کے طلبا وغیرہ سے علاوہ مقررہ فیس بہت ہی مناسب چندہ "اردو فنڈ" کے نام سے اور لیا جائے جس کی مقدار خواہ کتنی ہی قلیل ہو۔

(۵) اردو دوست اصحاب پر منفرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی زور دیا جائے کہ بموقع بیاہ شادی ناچ رنگ وغیرہ پر جو رقم صرف کی جاتی ہے۔ اس پر صرف نہ کر کے "اردو فنڈ" کو دیں۔

(۶) اردو دوست سینماؤں اور ہوٹلوں پر بھی مثل تبرک صندوقچیاں رکھوائی جائیں۔

الحاصل جن لوگوں کی مادری زبان اردو ہے اور وہ اس کی بقا و ترقی کے خواہش مند ہیں اُن کی اردو کانشس (CONSCIOUS) بنایا جائے اور ان کے دلوں میں اس کی خدمت کا صحیح جذبہ عمل پیدا کر دیا جائے۔

میں معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کا بہت وقت

دیا۔ مگر اب اردو اس سے کہیں زیادہ وقت، توجہ، محنت اور کوشش کی مستحق و محتاج ہے۔ خدا ہماری اور اس کی مدد کرے۔

اس خطبہ کے بعد حسب ذیل عہدہ داران انجمن۔

(۱) خان بہادر الطاف احمد خیری صاحب۔ ریٹائرڈ چیرمین ریونیو بورڈ آف راجستھان۔ صدر

(۲) منشی چند بہاری لال صاحب ضیا۔ جانشین حضرت مائل دہلوی۔ جاگیردار جے پور۔ نائب صدر

(۳) محمد حامی الدین خان صاحب ایم۔ اے ریٹائرڈ پروفیسر ہسٹری مہاراجہ کالج جے پور۔ نائب صدر

(۴) مولوی احترام الدین احمد صاحب۔ شاغل عثمانی ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ریاست جے پور۔ سکریٹری

(۵) شیخ محمد اسلام صاحب سابق ایم۔ ایل۔ اے سکریٹری مسلم مسافرخانہ جے پور (خازن)

کے علاوہ انجمن کی مجلس عاملہ کے ممبران کا انتخاب ہوا اور حسب ذیل اصحاب کو باتفاق ممبر منتخب کیا گیا۔

(۱) نواب محمد عبد الباقی خاں صاحب جاگیردار گردر حستھان بڑھانسی۔ (اتر پردیش) (ممبر)

(۲) منشی پنا لال صاحب ماتھر ایم۔ اے پنجاب میڈلسٹ۔ سابق پرنسپل مہاراجہ کالج جے پور (ممبر)

(۳) ڈاکٹر گورچرن سنگھ صاحب۔ ریٹائرڈ میڈیکل آفیسر سوائی مان سنگھ ہوسپٹل جے پور (ممبر)

(۴) منشی منموہن لال صاحب لسبھکی بھرت پوری۔ آفس سپرنٹنڈنٹ سکریٹری ایٹ راجستھان (ممبر)

(۵) مولوی حافظ محمد ایوب خاں صاحب قمر منشی فاضل وغیرہ وغیرہ پرنسپل اردو کالج جے پور (ممبر)

(۶) منشی نذیر الدین حسرت میتائی صاحب متعلم ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔ (فائنل)

اس کے بعد یہ جلسہ برخاست ہوا۔ مجلس عاملہ کا اجلاس عنقریب منعقد ہو کر بہت باقاعدہ اور ٹھوس کام شروع ہونے کی واثق توقعات ہیں۔

توضیحاً ریاست راجستھان کی آبادی اور زبان کا ایک گوشوارہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوگا کہ اردو کا گلا کس طرح گھونٹا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو رپورٹ مردم شماری ۱۹۵۱ء جلد ۱۰ ضمیمہ حصہ اول (سی)

ٹیبل نمبر ۱۳ A

راجستھان کی آبادی میں خاص خاص مذہبوں کے پیروان کا تناسب فی ہزار کل آبادی۔

ہندو	۹۰۷
مسلم	۶۲
جین	۲۳
سکھ	۹
عیسائی	ایک سے بھی کم

ٹیبل نمبر ۱۵ A

تناسب آبادی فی صد								
مذہب	۱۸۸۱ء	۱۸۹۱ء	۱۹۰۱ء	۱۹۱۱ء	۱۹۲۱ء	۱۹۳۱ء	۱۹۴۱ء	۱۹۵۱ء
ہندو	۸۷	۸۴	۸۳	۸۳	۸۳	۸۵	۷۵	۹۰٫۶
مسلم	۹	۸	۱۰	۹	۹	۱۰	۹	۶٫۳
جین	۴	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۲٫۳
دیگر	۰	۵	۴	۵	۵	۲	۱۳	۱

ٹیبل نمبر ۱۸ A

موازنہ آبادی		
مذہب	سنہ ۱۹۴۱ء	سنہ ۱۹۵۱ء
ہندو	۱,۰۳,۱۲,۸۵۰	۱,۳۸,۶۴,۱۵۰
مسلم	۱۲,۹۷,۸۴۱	۹,۴۹,۳۴۸
جین	۳,۴۲,۶۸۸	۳,۲۷,۶۷۳
عیسائی	۵,۹۴۱	۶,۶۷۲
دیگر	۸۳,۵۶۴	۱,۴۴,۶۶۳
میزان	۱,۳۰,۴۶,۹۹۶	۱,۵۲,۹۰,۷۹۷

ٹیبل نمبر ۲۱ A

کل راجستھان میں مادری زبانیں بولنے والوں کی تعداد		
زبان	بولنے والوں کی تعداد	پوری آبادی کا فی صد
راجستھانی	۱،۰۶،۷۸،۴۳۳	۶۶٫۸۴
مغربی ہندی	۳۳،۶۷،۰۵۶	۲۱٫۹۸
بھیلی	۷،۹۲،۵۵۷	۵٫۱۸
سندھی	۱،۲۵،۰۳۸	۰٫۱۸
پنجابی	۲،۵۱،۰۶۶	۱٫۶۴
گجراتی	۵۱،۴۳۹	۰٫۳۴
مرہٹی	۱۲،۴۰۵	۰٫۰۸
دیگر	۱۹،۶۲۴	۰٫۱۳

نوٹ :۔ راجستھانی میں حسب ذیل ۱۸ زبانیں شامل ہیں۔

(۱) راجستھانی (۲) اجمیری (۳) باگڑی (۴) بنجاری (۵) بیکانیری (۶) ڈھونڈاری یا جے پوری (۷) کشن گڑھی (۸) ہراڈوٹی (۹) مالوی یا رمیری (۱۰) مارواڑی (۱۱) میواڑی (۱۲) میواڑی (۱۳) میواڑی کھیرازی۔ (۱۴) میواتی (۱۵) راٹھی (۱۶) سونڈواڑی (۱۷) ڈھایاڑی (۱۸) ڈھاڈو۔

مغربی ہندی میں یہ زبانیں شامل ہیں۔

(۱) ہندی (۲) برج بھاشا (۳) بندیل کھنڈی (۴) ڈانگی (۵) اردو۔

بھیلی میں دو زبانیں شامل ہیں۔

(۱) وگڑی اور (۲) گراسیا۔

اردو کو مادری زبان بولنے والوں کی تعداد ہے۔

(۱،۵۲،۳۳۸)

کیا حامیان اردو کچھ غور و خوض اور آئندہ کی فکر کریں گے۔ (نامہ نگار جے پور)

پرنٹر:۔ نیشنل پرنٹنگ کمپنی علی گڑھ
پبلشر:۔ قاضی عبد الغفار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

یہ عجیب بات ہے کہ آج

اردو کی حمایت کو سنگین جرم سمجھا جاتا ہے

ہندی اردو کے سوال پر ڈاکٹر رام بلاس شرما کی تقریر

حیدر آباد۔ ۲۸ جون " ہندی اور اردو بنیادی طور پر ایک ہی زبان ہے۔ اس کے بولنے والے ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندی اور اردو کے درمیان آج سے ڈیڑھ سو سال قبل تفرقہ ڈال کر انھیں جدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن اب ہندی اردو میں اتنا فرق نہیں محسوس کیا جا رہا ہے جتنا کہ پہلے کیا جا رہا تھا۔ اور اس بات کی پوری توقع ہے کچھ دنوں بعد یہ فرق بھی مٹ جائیگا۔"

ہندوستان کے ممتاز ہندی ادبی نقاد ڈاکٹر رام بلاس شرما نے کل شام "اردو ہندی" سوال کے زیر عنوان تھیاسوفیکل ہال میں انجمن عوامی مصنفین حیدر آباد کی جانب سے منعقدہ ایک جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔ مسٹر سلمان اریب معتمد نے تعارف کرایا اور ڈاکٹر یوسف حسین خان نے صدارت کی۔ ڈاکٹر خان نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ زبان کو قانون کے ذریعہ مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ اگر زبردستی ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تو نتائج بری شکل میں سامنے آئیں گے۔ انھوں نے فن کاروں سے اپیل کی کہ زبان کے استحکام اور ترویج میں عوام کی صحیح نمائندگی کریں۔ ڈاکٹر رام بلاس شرما نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندی کو زبردستی رائج کرنے اور غیر ہندی زبان بولنے والوں پر ہندی کو زبردستی مسلط کرنے کا مشورہ دینے والے خود ہندی کے حق میں کانٹے بو رہے ہیں اس طرح نہ تو اردو کو ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہندی رواج پا سکتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے کے بعد اردو زبان نے جنم لیا۔ البتہ مسلمانوں کی آمد سے ہندوستانی زبانوں پر اثر ضرور پڑا۔ چنانچہ مرہٹی، کنٹری جیسی کہ تلنگی زبان میں فارسی زبان کے ان گنت الفاظ ملتے ہیں۔ پنجابی اور کشمیری زبان تو فارسی الفاظ سے بھری پڑی ہے۔

ڈاکٹر شرما نے کہا کہ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آج اردو

کی حمایت کرنے کو ایک سنگین جرم سمجھا جاتا ہے۔ اگر میں اردو والوں سے کہوں کہ ہندی اردو کو ایک کرنے کے لئے وہ اپنے رسم الخط کو چھوڑ دیں تو وہ ضرور اس بات کو سازش کا نام دیں گے۔ اور اگر میں ہندی والوں سے ان کے رسم الخط کو چھوڑنے کے لئے کہوں تو اردو کی تائید کرنے کا "سنگین الزام" مجھ پر لگایا جائے گا۔ اس لئے رسم الخط کے بارے میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر اردو میں لکھنے والے ادیب اور شاعر اپنی کتابیں دیوناگری میں چھپوائیں تو وہ تجارتی حیثیت سے کافی نفع میں رہیں گے اور اس طرح اردو اپنے حلقۂ اثر کو بڑھا بھی سکے گی ہم رسم الخط کے فرق کو کسی طرح دور نہیں کر سکتے اور نہ ہمیں اس بات پر اتنا زیادہ زور دینا چاہیئے۔　　(ریاست حیدرآباد)

تبصرہ
ظ۔ انصاری

انجمن کی مطبوعات

کاروانِ معیشت

(از:- نجم الدین شکیب)

معاشیات پر مکمل اور نہایت دلچسپ تاریخ

صفحات:- ۴۰۴، ۱۸×۲۲/۸　　قیمت مجلد ۶ روپیہ ۸ آنے

شائع کردہ:- انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

اردو زبان کے علمی خزانے میں نیا پھول کھلا ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے "کاروانِ معیشت" قوموں اور ملکوں کی معاشی تاریخ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ انسانی سماج کا معاشی قافلہ کن مرحلوں پر رکتا ہوا وہاں تک پہنچا ہے جہاں آج ہم اُسے دیکھ رہے ہیں اور یہ کہ اب اس کا رخ کدھر ہے، کیوں ہے اور آثار کیا کہتے ہیں۔

ایک موقع پر معاشیات کے کئی بقراط جمع تھے جب ۱۹۳۷ء میں ایک صاحب نے انکشاف کیا کہ لیو ہیوبرمن (Leo Huberman) کی جو تازہ ترین کتاب "Man's Worldly goods" آئی ہے واقعہ یہ ہے کہ معاشیات جیسے موضوع پر اس سے زیادہ دلچسپ، عام فہم اور باثبوت کتاب آج تک نظر سے نہیں گزری۔ دو گھنٹے سے کئی معاشی مسئلوں پر بحث ہو رہی تھی اور کسی ایک کو دوسرے کی رائے سے اتفاق نہ تھا لیکن میں نے دیکھا کہ جو جو حاضرین اس کتاب کو پڑھ چکے تھے، انھوں نے پریم ساگر گپتا کے اس خیال سے پورا اتفاق کیا۔

اس کتاب کے سلسلے میں سب سے مختصر بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ معاشیات (پولیٹیکل اکانومی) کے دو بڑے مخالف نظریوں کی الگ الگ مستند دو درجن کتابیں پڑھنے سے زیادہ آسان اور مفید یہ ہے کہ "مینس ورلڈلی گڈس" (کاروانِ معیشت) پڑھ لی جائے جس میں ریکارڈو کا سا پیچیدہ اندازِ بیان بھی نہیں ہے۔ کارل مارکس کی تصانیف جیسی ضخامت نہیں ہے اور بے ثبوت دعوے نہیں ہیں۔

میں نے اس کتاب کو ایک بار سے زیادہ پڑھا ہے (اور یہ بھی بار بار پڑھنے کی چیز) مجھے یقین ہے کہ معاشیات کی الف، ب، نہ جاننے والوں کے لئے جتنی یہ کتاب معاشیات کی تاریخ سمجھنے کے لئے ضروری ہے اتنی ہی یہ مفید ہے معاشیات کے ان ماہروں اور پروفیسروں کے لئے جو خود تو کچھ نہ کچھ سمجھ لیتے ہیں لیکن روزمرہ کی زندگی کے یہ مسائل اپنے طالب علموں اور عام لوگوں کو سمجھا نہیں پاتے۔

یہی اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے اور اسی کی بدولت ہیوبرمین کو اور اس کی تصنیف کو زبردست شہرت نصیب ہوئی۔

"معاشیات" کا علم جس طرح ہمارے کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے اس کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ ایف اے اور بی اے میں ناکام رہنے والے طالب علموں کی زیادہ تر تعداد "معاشیات" کے مضمون میں ہی فیل ہوتی ہے اور "معاشیات" کو مشکل اور کھردرا مضمون سمجھتی ہے۔

دوسری طرف یہ بات بھی کہ حیرت ناک نہیں ہے کہ معاشیات کے مضمون میں جہاں آدم اسمتھ، مالتھس، جیمس اسٹوارٹ مِل اور ریکارڈو یا سینیئر جیسے جدید گروہ میں جیوونز یک کے نظریات پر ضرورت سے زیادہ بحث کی جاتی ہے، افادۂ مختتم (Marginal Utility) نظریۂ آبادی (Control of Population)

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سٹے کے مفاد Advantages of Speculation پر پورا پورا باب صرف کر دیا جاتا ہے جہاں مارکس اور اینگلز کے معاشی نظریات کا بی۔ اے کے کورس تک پتہ نہیں ہے اور ان کا ذکر آیا بھی ہے تو اس طرح کہ اینگلز ایک اعداد و شمار کرنے والا جرمنی کا یہودی تھا جس نے فیملی بجٹ کے متعلق یہ اعداد و شمار پیش کئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں کے ارباب اختیار سے معاشیات میں اسی "غیر جانب داری اور علم دوستی" کی امید کی جا سکتی ہے۔

معاشیات کی پانچ چھ موٹی موٹی کتابیں پڑھ ڈالنے کے بعد بھی ایک نوجوان گریجویٹ کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ معاشیات کا وہ زبردست ماہر جس کے نظریوں نے دنیا میں سب سے زیادہ گونج پیدا کی اور جس کی معاشی تحقیقات نے دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو عملی طور پر نئے سانچوں میں ڈھالا، دراصل کیسا معاشی نظریہ پیش کرتا تھا۔ جن کتابوں میں مالتھس کے فرسودہ نظریوں کا تفصیلی بیان ہے اور جنھیں معاشیات کی تعلیم کیلئے یونیورسٹیوں میں منظور کیا گیا ہے ان میں کہیں بھی "نظریۂ قدر زائد" Theory of Surplus Value کا پتہ نہیں ہے ان میں کہیں Extended reproduction کا ذکر نہیں جو کارل مارکس کا ایک زبردست علمی کارنامہ ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ہیوبرمین کی یہ کتاب مکمل ہے کیونکہ وہ صرف مارکس اور اینگلز کے ساتھ ہی انصاف نہیں کرتی بلکہ مالتھس اور ریکارڈو اور مل کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرتی ہے اور ان کے نظریوں کو، ان کے اثرات کو بھی ترتیب وار بیان کرتی ہے۔

آدمی نے ذرائع پیداوار کی نئی دریافتوں کے ساتھ کیسے کیسے بدلنا سیکھا، حالات کی رفتار نے انسانی ذہن کو کیسے کیسے متاثر کیا اور آج کے معاشی جھگڑے جو ناقابل شکست نظر آتے ہیں وہ کس کس طرح طاقت ور ہوئے اور ان کی جڑ بنیاد میں کیا کیا کمزوریاں یا طاقتیں پوشیدہ ہیں۔

ان سب سوالوں کا جواب ۔۔۔ صفحے کی اس کتاب میں موجود ہے اور ایسے انداز بیان کے ساتھ ہے جو معاشی عالموں کے لئے اجنبی ہے اور عام پڑھنے والوں کے لئے جانا پہچانا اور آسان۔

ترجمہ نجم الدین شکیب نے کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب تک معاشیات کے علم سے دلچسپی نہ ہو۔ ایسا ستھرا اور علمی ترجمہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

زبان بہت زیادہ آسان تو نہیں ہے کیونکہ اس میں انگریزی زبان کی معاشی اصطلاحوں کی جگہ عثمانیہ یونیورسٹی میں استعمال ہونے والی وہ اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جو انگریزی ہی کی طرح اجنبی ہیں اور انہیں عام فہم بنانے کیلئے علیحدہ سے نوٹ یا حاشیے بھی نہیں دیئے گئے۔ لیکن الجھاؤ اور غیر ضروری لفاظی سے پاک ہے تقریباً ایک درجن اصطلاحوں کے علاوہ باقی الفاظ اور تراکیب ایسے ہیں جنہیں ذرا زور دے کر یا لغت کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک بات جو ایسی اچھی کتاب میں کھٹکتی ہے یہ ہے کہ ایکبار ترجمے کا مسودہ تیار کر لینے کے بعد اسے اصل عبارت کے سامنے رکھ کر نظر ثانی نہیں کی گئی۔ کیونکہ کئی مقامات پر جملوں کی ساخت ایسی ہے جو زیادہ سلیس بنائی جا سکتی تھی۔ مثلاً صفحہ ۱۹ پر چوتھی سطر کا جملہ یا مثلاً صفحہ ۳۵ پر "۔۔۔ لوگوں کے رہن سہن کا ڈھنگ وہ طریقہ مقرر کرتا ہے جس سے وہ روزی پیدا کرتے ہیں"۔ اس جملے سے دو بالکل مخالف مفہوم نکالے جا سکتے ہیں۔ اگر یہ جملہ یوں ہوتا "وہ طریقہ جس سے لوگ روزی پیدا کرتے ہیں، لوگوں کے رہن سہن کا ڈھنگ مقرر کرتا ہے۔" تو اس سے صرف وہی ایک مفہوم نکلتا جو مصنف کا منشا ہے۔ اس کے علاوہ ۔۔۔ مقامات پر درآمد کی جگہ برآمد اور برآمد کی جگہ درآمد استعمال ہوا ہے۔ جیسے "قیمتیں کم ہو جائیں گی" کی جگہ "قیمتیں بڑھ جائیں گی" ہونا چاہئے۔ کئی کئی جملوں تک "لیکن" کی تکرار، یا "آثار چڑھاؤ" کو "اتار چڑھاؤ" لکھنا۔ یا ایک ہی لفظ کی جگہ دو مختلف موقعوں پر دو مختلف الفاظ استعمال کرنا ایک ایسی کمزوری ہے جو نظر ثانی سے دور ہو سکتی تھی۔ اتنی بڑی کتاب کے ساتھ "غلط نامہ" ضرور ہونا چاہئے۔ اس کی کمی بھی محسوس ہوتی ہے۔ یقین ہے کہ اردو پڑھنے والے علم دوست اس کتاب کا خیر مقدم کریں گے اور انجمن ترقی اردو کو قابل داد کہیں گے جس نے یہ فرض ادا کرایا۔

انجمن ترقی اردو